شیخ عبد المنعم شمیس

ترجمہ: پروفیسر محمد حنیف

سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قدیم اور جدید سیرت نگاروں کی تحریروں میں

غزوات الرسول علیہ الصلاۃ والسلام پر سب سے پہلی تالیف موسیٰ بن عقبہ بن ابی العیاس الاسدی کی ہے جنھیں بجا طور پر امام المغازی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بنی امیہ کے عہد میں پیدا ہوئے، ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ابن اسحٰق نے[1] سیرت نبی پر کتاب تالیف کی۔ ابن اسحٰق کو اس کتاب کی بدولت بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ کتاب المبتداء و قصص الانبیاء۔ طبری نے اپنی دو عظیم تصانیف "التاریخ" اور "تفسیر القرآن الکریم" میں اس حصے میں سے بہت زیادہ نقل کیا ہے:

۲۔ کتاب سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ کتاب المغازی

مگر یہ حقیقت ہے کہ سیرت پر جو کچھ ابن اسحٰق نے لکھا وہ ہم تک ابن ہشام کی روایت کے واسطے سے ہی پہنچا ہے[2] جس کی وجہ سے اس کو ابن اسحٰق سے زیادہ شہرت ملی اور اب ہم سیرت نگاری کے ضمن میں سیرت ابن ہشام کو بنیادی ماخذ جانتے ہیں۔ اس کا اولین ترجمہ ۱۸۶۴ء میں جرمنی زبان میں ہوا، اور پھر جرمنی ہی میں ۱۸۶۸ء میں اس کے عربی نسخے طبع ہوئے۔

قدیم سیرت نگاروں میں ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی ہیں جو مدینہ منورہ میں گندم کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کی تجارت تو خسارے کا شکار ہوئی مگر دین کا رنگ ان پر زیادہ غالب آ گیا۔ جب

---

[1] ابن اسحاق نے ۱۵۱ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

[2] ابن ہشام نے مصر کے شہر فسطاط میں ۱۳ ربیع الثانی ۲۱۸ھ کو وفات پائی۔

ہارون الرشید فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ گیا اور پھر مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو واقدی نے اس کی رہنمائی کے فرائض انجام دیے اور تمام قابلِ زیارت مقامات اس کو دکھائے۔ ہارون الرشید نے خوش ہو کر اسے دس ہزار درہم انعام کے طور پر دیے، لیکن وہ خرچ ہو گئے تو واقدی پھر تنگ دستی کا شکار ہو گیا۔ چنانچہ اس نے بغداد کا رُخ کیا، جہاں ہارون الرشید نے اسے دار الخلافہ کے مشرقی حصے کا قاضی مقرر کر دیا۔ یہیں واقدی نے اپنی "کتاب المغازی" تالیف کی۔

واقدی کا ایک شاگرد اس کام میں اس کا معاون تھا اور وہ کاتب الواقدی" کہلاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شاگرد شہرت میں اپنے استاد سے بڑھ گیا۔ یہ ہونہار شاگرد ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن الزہری تھا جو مشہور کتاب "الطبقات الکبریٰ" (یا طبقات ابن سعد) کا مؤلف ہے۔ اس کتاب میں سیرت کا ذکر تفصیل سے ہوا ہے، اور اس کے مختلف طبقات (مثلاً صحابہ کرام، تابعین اور ۲۳۰ ہجری تک کے تبع تابعین) قائم کیے گئے ہیں، اور یہی سال ان کا سنِ وفات ہے۔

اس طرح سیرتِ نبوی کے ماخذ سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد میں جمع ہو گئے۔ اس کے بعد سیرت نگاروں نے خواہ وہ قدما میں سے ہوں یا معاصرین میں سے ان پر ہی اعتماد کیا ہے۔

سیرتِ نبویہ کے بارے میں اس گزارش کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قدیم سیرت نگاروں نے کس بالغ نظر جذبۂ عقیدت و محبت سے سیرتِ طیبہ کو محفوظ کیا۔ صدیوں سے ان کی کتابیں نسل در نسل منتقل ہو رہی ہیں۔ دوسری صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک تحقیق کرنے والوں نے کسی تجزیے کی زحمت گوارا نہیں کی، بلکہ واقدی کی ... میں سے الفتوح الاسلامیہ کا حصہ صلیبی جنگوں کے دوران بہت زیادہ شائع ہوا جس سے مجاہدین نے جرأت و حمیت حاصل کی۔

اہلِ یورپ نے سیرتِ رسول پر جو کچھ لکھا، مسلمانوں تک وہ بہت دیر سے پہنچا۔ مشہور مورخ الشیخ عبد الرحمٰن الجبرتی نے نپولین کے ساتھ آنے والے فرانسیسیوں کے پاس جب سیرت الرسول پر ایک کتاب دیکھی تو ششدر رہ گیا۔ اس کے ٹائیٹل پر آپؐ کی خیالی تصویر مرسوم تھی، جس کو الجبرتی نے بڑی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ البتہ اس کے مندرجات کو وہ سمجھ نہ سکا۔ تاہم فرانسیسی حملے کے بعد مصر اور دوسرے بلادِ اسلامیہ میں علمی اور ادبی ترقی کی تحریکوں کے باوجود اہلِ قلم نے جدید اسلوب میں سیرت نگاری کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جو وقت کے تقاضے اور قارئین کے فکر و ذہن سے ہم آہنگ ہو۔ بلکہ یہی قدیم تالیفات لوگوں کے ہاتھوں

رہیں اور ان کے علاوہ جو کتابیں لکھی گئیں ان میں یہی رنگ نمایاں رہا (مگر وہ سیرت ابن ہشام کے درجے کو نہ پہنچ سکیں)۔ طبقات ابن سعد تو مصر میں ۱۹۴۰ء تک طبع نہ ہو پائی، البتہ ہالینڈ میں اس سے پہلے ۱۹۰۴ء تا ۱۹۲۰ء میں اس کی طباعت ہوئی۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علمائے اسلام کسی دور اور عہد میں بھی سیرت طیبہ کی طرف سے غافل نہیں رہے۔

جہاں تک جمہور قارئین کا تعلق ہے تو ان تک یہ علم ان علما کے واسطے سے ہی پہنچتا رہا، عام قاری کے مطالعہ میں ایسی کتاب نہیں آ سکی جو پڑھنے میں سہل اور سمجھنے میں آسان ہو۔ آخر کار ایک وقت آیا جب سیرت کی ایسی کتاب عام قاری کی ناگزیر ضرورت بن گئی جو مختصر مگر مفید ہو۔ خاص طور پر چھاپہ خانوں کی ایجاد کے بعد جب علوم کی نشر و اشاعت عام ہو گئی، کیونکہ اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی قدیم کتابوں کو پڑھنا ایک بوجھ سا سمجھنے لگے۔ چنانچہ یہ کتابیں بعض خاص خاص حضرات کے مطالعہ کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئیں۔

نور الیقین

یہ اتفاق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص نعمت تھی کہ ایک عالم دین کی، جو شہر منصورہ میں قاضی کے عہدے پر فائز تھا، اپنے ایک رفیق کار، جو غیر ملکی افراد کے معاملات سے متعلق مقدمات نمٹانے والی عدالت میں قضاۃ کے احکام کو فرانسیسی زبان میں ادا کرنے پر مامور تھا، ملاقات ہو گئی۔ ان کا نام الشیخ محمد الخضری تھا اور وہ شرعی قاضی تھے۔ چنانچہ اس عدالت کے قاضی نے شیخ محمد الخضری سے سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ شیخ الخضری نے سوچا کہ سید المرسلین کی سیرت طیبہ پر ایک نئے اسلوب میں ایسی کتاب ان قارئین کے لیے تالیف کی جائے جو سیرت ابن ہشام یا اس معیار کی دوسری کتابوں کا مطالعہ گراں سمجھتے ہیں تاکہ وہ اس کے مطالعہ سے سیرت طیبہ کو سمجھ سکیں۔

اس کے نتیجے میں کتاب "نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین" منظر عام پر آئی جو نئے زاویے سے سیرت نگاری کی پہلی کوشش تھی۔ اس کتاب کی بدولت شیخ الخضری کو مصر کی قدیم یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ اس کے بعد تاریخ اسلامی کے عمومی مطالعہ اور سیرت نبویہ کے خصوصی مطالعہ کا اہتمام کیا جانے لگا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ "نور الیقین" سیرت نبویہ کا ایک مفید اور جامع اختصار تھا۔ مؤلف نے قدیم کتب سے مواد جمع کیا اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ایک ایسی کتاب کی صورت میں ڈھال دیا جس کو وہ آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، اور یہی ان کا مقصد تھا۔ یہ کتاب کم و بیش پچاس سال تک قارئین کے زیر مطالعہ رہی۔

غیر مسلم سیرت نگار

اس مسئلے نے اس کے بعد ایک اور رخ اختیار کر لیا۔ مسلمان علم و ادب میں جدید ترقی سے روشناس ہوئے۔ دوسری زبانیں پڑھنے لگے اور تعلیم کی غرض سے یورپ و امریکہ میں جانے لگے تو انھوں نے دیکھا کہ سیرتِ نبویہ پر غیر مسلموں نے بھی بہت سی کتابیں لکھ رکھی ہیں۔ ان میں سے بعض بہت خطرناک تھیں اور ان کے مصنفوں نے اسلام کے قلعے میں شگاف ڈالنے کی کوشش کی تھی، اور یہ قضیہ اب کوئی ڈھکا چھپا نہیں رہا، کیوں کہ یورپی استعمار، قوتِ اسلام سے ہمیشہ نبرد آزما رہا ہے اور اب بھی ہے۔ اس بدنیتی کے پیشِ نظر فرانسیسی نو آبادیوں کے ایک مشیر نے اس نظریے کا پراپیگنڈہ شروع کیا کہ مسلمانوں کے غیر ترقی یافتہ رہ جانے کا سبب خود اسلام ہے۔ شیخ جمال الدین افغانی نے اس غلط نظریے کا رد کیا اور آخر کار اس کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، حتی کہ جمال الدین افغانی سے ملنے کے بعد وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں ابن سینا یا ابنِ رشد کے سامنے بیٹھا ہوں۔ غرض اسلام کے خلاف مستشرقین کی تحریروں میں چھپے ہوئے حملے جاری رہے اور مسلمانوں میں ایسے اہلِ فکر کا وجود ناگزیر ہو گیا جو اس افترا کا موثر توڑ پیش کر سکیں۔

یہ شرف ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کو حاصل ہوا جس نے کتاب "حیاۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)" لکھی، جو عصر حاضر میں سیرتِ طیبہ پر اہم ترین علمی کتاب شمار ہوتی ہے، اس کی تالیف کے وقت سیرتِ طیبہ پر مشہور انگریزی اور فرانسیسی مولفین کی وہ تالیفات ہیکل کے پیشِ نظر رہیں، جن میں واشنگٹن، ارونگ، سر ولیم میور، سر جلیتھ، تھامس کارلائل اور لامانس فرانسیسی قابلِ ذکر ہیں، البتہ وہ جرمن زبان سے ناواقفیت کی بنا پر کسی جرمن مستشرق کی کتاب سے رجوع نہ کر سکا۔ اس کتاب کی اسی ایک خامی کی نشان دہی کی جاسکتی ہے، مگر اس خامی نے کتاب کی قدر و قیمت کو متاثر نہیں کیا۔ ہیکل بہ یک وقت ایک قانون دان اور فلسفہ و منطق کا ماہر تھا اور ایک پختہ اہلِ قلم تھا۔ اس نے مستشرقین کے خلاف استدلالی قوت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ مصادرِ سیرۃ نبویہ سے اس کو معرفت تامہ حاصل تھی۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ہی نے سیرتِ طیبہ پر جدید تصنیفات کا دروازہ کھولا ہے، کیوں کہ جدید مولفین جو اس سے پہلے گزرے ہیں اور جن میں الخضری اور رشید رضا مولف "محمد المثل الکامل" شامل ہیں، سیرت ابن ہشام طبقات ابن سعد اور تاریخ ابن جریر الطبری سے کوئی زیادہ ہٹ کر نہیں لکھتے تھے۔

"علی ہامش السیرۃ"

پھر ڈاکٹر طٰہٰ حسین آیا جس نے سب سے ہٹ کر، حتٰی کہ ہیکل سے بھی ہٹ کر ایک نیا انداز اپنایا

اور ادبی شہ پاروں میں ایک نئے شہ پارے کا اضافہ کرتے ہوئے ایک منفرد اسلوب میں سیرۃ طیبہ پر "علی ہامش السیرۃ" تالیف کی اور علمی اسلوب کے علاوہ ادبی اسلوب میں اس کو جدید روح کے عین مطابق طٰہٰ حسین نے جو کتابیں املا کرائیں یہ ان میں سب سے زیادہ مفید اور دل پذیر ہے۔ سیرۃ طیبہ پر اس کتاب میں دو باتیں طٰہٰ حسین کے پیش نظر رہیں:

۱۔ تحقیق سے ثابت شدہ صحیح تاریخی معلومات: طٰہٰ حسین کا مطالعے میں یہی نہج اور طریقہ تھا اور اس میں اس کو انفرادیت حاصل تھی۔ وہ ایک ہی خبر سے مختلف روایات کی چھان پھٹک کرنے کے بعد صحیح نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ وقائع التاریخ میں اپنے خیال اور رائے کو دخل انداز نہیں ہونے دیتا، سوائے ان کے جو ولادت طیبہ سے پہلے کے زمانے سے متعلق ہوں[3]

۲۔ افراغ الحدث التاریخی فی اسلوب ادبی جدید: طٰہٰ حسین سیرت سے مربوط واقعات سے جذباتی اثر قبول کرتا ہے اور اس کو صاف ستھرے اور بہتر انداز سے مرتبط رکھتا ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ طٰہٰ حسین ان اوّلین مولفین میں سے ہے، جنھوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب پر قلم اٹھایا اور علمی نقطۂ نظر سے ان کا دفاع کیا، اور اس کی سند جو سر قرآن اور مبادی اسلام سے لی۔ طٰہٰ حسین جب فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے گیا (شیخ امین الخولی اس کے ہمراہ تھے) تو حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت وہ گڑگڑا کر رو دیا اور بار بار اللہ۔ اللہ۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکارتا رہا۔

الوعد الحق

طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ کی سعادت حاصل کر چکنے کے بعد طٰہٰ حسین کے خیالات میں ایک نیا جذبہ ابھرا اور اس نے ایک نئی کتاب "الوعد الحق" لکھی جو ان واقعات و ایام کے گرد گھومتی ہے جب مسلمانوں کو مشرکین کے ہاتھوں شدید اذیتیں پہنچتی تھیں اور وہ ان کا مقابلہ اپنی قوتِ عقیدہ اور طاقتِ ایمانیہ کے ساتھ کرتے تھے۔ ہر ایسے موقعے پر ان کی آواز کلمہ احد۔ احد۔ احد کے ساتھ بلند ہوتی جو کافروں کے دلوں کو چیر جاتی۔

---

[3] طٰہٰ حسین بینائی کی نعمت سے محروم تھا، اس لیے اپنے سیکرٹری کو املا کرواتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت سے متعلق واقعات کو وہ من وعن قبول نہیں کرتا بلکہ ان کے ضمن میں اپنی رائے کو زیادہ معتبر سمجھتا ہے۔

یہ کتاب سیرتِ طیبہ سے قریبی تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ آنحضرت کے کمزور ساتھی تھے جن کو آپ کے (اصحابِ ثروت) صحابہ خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ ان میں پیش پیش حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے جو "اشرف المجاہدین فی سبیل اللہ" ہیں اور انہیں اور امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے، الوعدالحق (وعدۂ حق) ظہورِ اسلام اور غلبۂ اسلام کی صورت میں عطا کیا۔

طٰہٰ حسین نے عقیدۂ اسلام کے ان دشمنوں پر غلبے کی ایسی تصویر کھینچی ہے جو زمانوں پر محیط ہے اور ہر جگہ سرکشی کی سرکوبی کرتی ہے۔ آلِ یاسر کے لیے آنحضرت کا ارشاد تھا: "صبر۔ اے آلِ یاسر صبر! جنت تمہارے لیے مقدر ہو چکی" اور کافروں کے خلاف مومنین کی دعوتِ ایمان کے دفاع میں کہے گئے یہ الفاظ عظیم ترین اور بہترین الفاظ ہیں۔ ان کی گونج چودہ صدیوں کے بعد آج افغانستان میں سنی جا رہی ہے اور حقیقت میں یہ وہی کلمہ ہے جو عمار بن یاسر نے دہرایا تھا: احد۔ احد۔ احد۔ احد

توفیق الحکیم کا ڈرامہ

انہی افکار نے مشہور ڈرامہ نگار توفیق الحکیم کو اپنی گرفت میں لیا تو وہ ان سے علیحدہ نہ ہو سکا اور جب نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کردہ نور کو اس نے اپنی ذات میں دوڑتا ہوا محسوس کیا تو اس کی قوتِ فکر دمک اٹھی اور اس کا قلم چمک اٹھا۔ تب اس نے ایک ڈرامہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا جو تھیٹر کے چبوترے پر پیش کرنے کے لیے نہیں، بلکہ صرف پڑھنے کے لیے تھا۔ اس نے اس ڈرامے کی تحریر میں ایک ایسی فکری نہج اختیار کی جو ہمارے دور کے مسلمان اہلِ قلم کے درمیان فکری ہم آہنگی کی نمائندہ ہے۔ چنانچہ یہ کوششیں بدستور جاری رہیں کہ بڑے بڑے اہلِ قلم اس نہج پر سیرتِ نبویہ کی تالیف کریں۔

توفیق الحکیم کا یہ ڈرامہ اس کے اہم ترین ڈراموں میں شمار ہوتا ہے۔ صرف یہی ایک ڈرامہ ہے جو سٹیج پر پیش کرنے کی بجائے صرف پڑھنے کے لیے اس نے لکھا ہے۔ لیکن توفیق الحکیم نے ایسا ڈرامہ کیوں لکھا جو سٹیج پر پیش نہ کیا جا سکتا ہو؟ میں سمجھتا ہوں، الحکیم نے سیرت کی تصویر ڈرامہ نگاری کے اسلوب میں پیش کر کے اپنی فنی قدرت و مہارت کا مظاہرہ کیا ہے اور اس کی تہ میں اسلام سے جو والہانہ لگن کارفرما تھی وہ اس وقت واضح طور پر سامنے آ گئی جب توفیق الحکیم نے قرطبی کی تفسیر القرآن کی تلخیص لکھی۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اہلِ فکر و قلم جدید اسلامی فکر کے تصور سے کبھی بے تعلق نہیں ہوئے یعنی "تجدید الفکر الاسلامی" کے تصور سے۔ ان کا رخ ہمیشہ دو راسخ بنیادوں کی طرف رہا اور وہ ہیں: (۱) القرآن الکریم اور

٢) السنة النبوية الشريفة

ان دو بنیادوں کو انھوں نے شیخ جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کی دعوت میں بھی پڑھا تھا اور المغرب
الاسلامی میں دعوت سنوسیہ، سوڈان میں دعوتِ مہدیہ، الجزائر میں دعوت عبدالحمید بن بادیس کے ضمن میں
بھی۔ ان سبھی دعوتوں کا مقصد منابع اسلام یعنی قرآن وسنت کی طرف رجوع ہے۔
پھر عباس محمود العقاد آیا اور اس نے اپنی اسلامی تحریروں کا آغاز کیا۔ یہ زمانہ دوسری عالمی جنگ کا تھا جب
وہ قاہرہ سے ہجرت کرکے خرطوم آگیا اور اپنی عبقریات کے سلسلے کی پہلی کتاب "عبقریۃ عمر" لکھی۔ پھر اس
کی کتاب "عبقریۃ محمد" صلی اللہ علیہ وسلم" منظرِ عام پر آئی۔ اسی پروگرام کے تحت جو اس نے اپنی ذات کے
لیے وضع کیا تھا اور جس کو اس نے "مفتاح الشخصیۃ" کا نام دیا تھا، اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی شخصیت ساری انسانیت کی کلید ہے۔ اگرچہ العقاد سے پہلے اس موضوع پر محمد احمد جاد المولی اپنی
کتاب "محمد المثل الکامل" میں فکر انسانیتِ کاملہ کے نظریے سے پیش کر چکے تھے، مگر جاد المولی مصری ذات
تعلیم میں بڑا ریسرچ سکالر ہونے اور زمانے کے لحاظ سے اور "محمد المثل الکامل" کی تالیف میں اس نظریے
کو پیش کرنے میں سبقت کے باوجود فکری اور تحلیلی قوت میں العقاد کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکا تھا۔ دونوں اہل قلم
میں جو مماثلت پائی جاتی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عقیدۂ "بشریت" کی ہے۔ یعنی
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور رسول تھے اور یہ وہ نظریہ ہے جس میں نزولِ وحی سے کسی زمانے میں کوئی خلا
نہیں ہوا، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ وصف ہے جو آپ کے ان اوصاف میں سے ہے جو قرآن نے
بیان فرمائے ہیں۔

اسی بنا پر سیرت پر قلم اٹھاتے وقت خواہ وہ کسی بھی اسلوب سے ہو (بنیادی ماخذ) قرآن وحدیث اور ان
کے بعد اہم کتبِ سیرت پر ہی اعتبار کرنا ہوتا ہے۔ عقاد نے ان کو "نظریہ انسان کامل" کے اندر جمع کر دیا [illegible]
اور وہ نظریہ دوسرے الفاظ میں مثالی بشریت کا نظریہ ہے جو الوہیت اور تألیت سے بعید ہو۔ اسی وجہ سے
کتاب "عبقریۃ محمد" کو جدید عصری مقالات میں نمایاں مقام ملا [illegible]
ہیکل، طٰہٰ حسین اور توفیق الحکیم کی صف میں شامل ہے۔
ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کا سیرت طیبہ پیش کرنے میں ایک اپنا علمی اور منطقی اسلوب ہے۔ طٰہٰ حسین کا ادبی [illegible]
نادیہ ہے اور توفیق الحکیم کا ڈرامائی و کلاسیکی اسلوب ہے، جس کے پردے میں وہ سیرت کے [illegible]

کرتا ہے، جب کہ عقاد کا اسلوب تحلیلی ہے - وہ ایک مرکزی نقطہ قائم کرتا ہے اور آنحضرت کی ذاتِ گرامی کی بشریت کی تعریف بیان کرنے میں منفرد مقام رکھتا ہے۔

ان کے علاوہ دیگر حضرات میں سے کچھ تو وہ ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ کے زمانۂ بچپن کو لیا ہے، بعض نے آپ کی عسکری زندگی میں "محمد القائد" کے زاویے سے بحث کی ہے اور بہت سے حضرات وہ ہیں جنھوں نے آپ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف مظاہر کا ذکر کیا ہے -

مسلمانوں کی نئی نسل جس نے جدید ثقافت کے پہلو میں پرورش پائی ہے، اور جس کے علم و معلومات کے سرچشموں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور وہ بہت سی مختلف زبانیں بولتے ہیں، وہ سب سیرتِ نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جدید رنگ کی ضرورت شدت سے محسوس کرنے لگے ہیں۔ وہ مسلمان جو انگریزی، فرانسیسی یا کوئی اور یورپی زبان یا چینی زبان بولتے ہیں، ان کو قرآن کریم کے تراجم تو دستیاب ہیں مگر پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ پر عصری تقاضوں کے مطابق کوئی کتاب ان کو (اپنی زبان میں) نہیں ملتی اور یہ ان کا حق ہے کہ ان کو ایسی کتاب مہیا کی جائے۔ ہمارے آج کے قاری کے تین درجے ہیں:- (۱) بڑے (۲) نوجوان اور (۳) بچے

آپ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو دیکھیں، وہ اپنی کتابوں میں ان تینوں درجوں کو مدنظر رکھتے ہیں کیا نائیجیریا یا جاپان میں کوئی مسلمان کوئی سادہ، مختصر مگر جامع کتاب سیرت نبویہ کے متعلق حاصل کر سکتا ہے بلکہ کیا کسی عرب مسلمان نوجوان کو سیرت پر سو صفحوں کی کوئی آسان سی کتاب میسر ہے ؟ یا کسی عرب مسلمان بچے کے لیے بیس صفحات پر مشتمل کوئی ایسی کتاب موجود ہے ؟ ہم اپنے بچپن میں حضورؐ کا نسب یعنی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن عبد مناف کتابوں سے زبانی یاد کیا کرتے تھے، ہمیں اس کی تقدیس کا علم ہوتا تھا، اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے، حتیٰ کہ ہم بڑے ہو جاتے تھے اور علم حاصل کرتے رہتے تھے، مگر آج کے بچے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بڑی عمر کو پہنچنے تک علم حاصل کر لے اور آج کے نوجوان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سیرت نبویہ کو سمجھے، قبل اس کے کہ وہ ہیکل، طٰہٰ حسین، توفیق الحکیم، عقاد وغیرہ کو پڑھے۔

ہماری آج کی زندگی کو اور اسلامی ممالک کو جو مسائل (حملوں اور جنگوں کے) درپیش ہیں، وہ اس بات کو لازم ٹھہرا دیتے ہیں کہ ہمارے بڑوں، نوجوانوں اور بچوں کے دلوں میں اسلامی عقیدہ گہرا اور راسخ ہو، لہٰذا تمام زبانوں میں سیرت پر قابلِ مطالعہ کتب کے حصول سے کوئی چیز اشرف و افضل نہیں - آج جب کہ ہم نشاۃ اسلامیہ کے دور سے گزر رہے ہیں، یہ کیسے باور کر لیں کہ ہمارے پاس سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ایسا